© rasailojaraid.com

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ، ۱۱/۱، ۲ جنوری - دسمبر ۱۹۹۶ء

تلاشِ نظم کے لئے چند اہم اور ممد اشارات

ترتیب و ترجمہ: خالد مسعود

ہر کلام کے نظم کو، اور بالخصوص کلام وحی کے نظم کو، جاننے کے لئے خاص اصول ہیں مثلاً:

الف: ایک بات یا تو ایک ہی جملے میں ادا ہو جاتی ہے یا متعدد ایسے جملوں میں جن کا موضوع ایک ہی ہوتا ہے۔

ب: بعد میں آنے والا جملہ پہلے آنے والے جملے سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کے جڑے ہونے کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ یا تو بعد کا جملہ سابقہ جملہ کے موضوع میں مشترک ہوتا ہے یا اس کے کسی خاص جزو سے ملا ہوا ہوتا ہے یا اس کا موضوع پہلے جملہ کے موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔

ج: بعد میں آنے والے جملے کا تعلق کبھی تو سابقہ جملہ کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس سے اوپر کے کسی جملہ یا مضمون سے مربوط ہو۔

ان اصولوں سے کئی چیزیں متفرع ہوتی ہیں، جن کو آئندہ صفحات میں ہم واضح کریں گے۔

قرین پر غور

قران سے مراد دو کلمات یا دو اقوال کا ساتھ ساتھ آنا ہے، خواہ یہ حرف عطف کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔ اس طرح ساتھ ساتھ آنے والے الفاظ یا جملے ایک دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قرین کہلاتے ہیں۔ قرین کا پایا جانا مختلف معانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، مثلاً:

الف: ایک قرین دوسرے کی وضاحت یا اس کے مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ متعدد صفات باری تعالیٰ اسی مقصد کے لئے ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ مثلاً: عزیز مقتدر (زبردست اور ہمہ گیر اقتدار والا) العزیز الجبار (غالب اور زور آور) عزیز ذوانتقام (غالب اور انتقام لینے والا)۔

کسی خاص صفت کے ساتھ کئی صفات کا لبطور قرین آنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ مختلف صفات ایک ہی جامع امر کے تحت ہیں۔ مثلاً عزیز کی صفت رحیم علیم، حکیم اور غفار کے ساتھ آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفت رحمت، حکمت، علم اور غفران ایک ہی جامع صفت کے پرتو ہیں۔

ب۔ دو قرین کسی ایک معنی میں مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً فرمایا:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ٥ — سورج اور چاند ایک حساب سے

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ ٥ — گردش کرتے ہیں اور ستارے

(الرحمٰن: ۵-۶) — اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں۔

یہاں دو متصل جملوں میں 'بحسبان' اور 'یسجدان' کے الفاظ لا کر اس بات پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ یہ سب چیزیں خدا کے آگے مسخر بھی ہیں اور اس کی عبادت میں بھی لگی ہوئی ہیں۔ سورج اور چاند کا ایک معین نظام میں حرکت کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ کسی حاکم کے تحت ہوں جس نے ان کو اس خدمت پر لگا رکھا ہو۔ لہٰذا یہ دونوں اس کی عبودیت میں ہیں۔ اور اس کے تخت شاہی کے آگے سربسجود رہتے ہیں۔ عالم جمادات کی ان دو واضح نشانیوں کے بعد عالم نباتات کے سجدہ کا ذکر کر کے متنبہ کر دیا کہ اسی طرح عالم حیوانات بھی خدا کے آگے سرنگوں رہتا ہے۔ اس مضمون کی وضاحت دوسری جگہ کر دی۔ فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ — کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ کے آگے

لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ — جھکتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ	آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں
وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ	ہیں اور سورج، چاند ستارے،
وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ	پہاڑ، درخت، چوپائے اور لوگوں
(الحج: ۱۹)	میں سے بہتیرے۔

ج۔ ایک قرین جب دوسرے کے موافق ہوتا ہے تو اس کی تائید کرتا ہے اور غور کرنے پر ان کی مماثلت سمجھ میں آتی ہے۔ مثلاً مواسات یا انسانی ہمدردی کا ذکر ایک مقام پر نماز کے ساتھ آیا ہے اور دوسری جگہ ایمان باللہ یا ایمان بالآخرۃ کے ساتھ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نماز اور ایمان ایک ہی باب سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً فرمایا:

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ	وہ جواب دیں گے، ہم نماز پڑھنے
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ	والوں میں سے نہیں تھے اور نہ
(المدثر: ۴۳-۴۴)	غریبوں کو کھلاتے ہی تھے۔
اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ	یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ	تھا اور نہ مسکینوں کو کھلانے پر
الْمِسْكِيْنِ (الحاقہ: ۳۳-۳۴)	لوگوں کو ابھارتا تھا۔
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ	دیکھا تم نے اس کو جو جزا و سزا کو
بِالدِّيْنِ ۙ فَذٰلِكَ الَّذِيْ	جھٹلاتا ہے۔ وہی ہے جو یتیم کو
يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ وَلَا يَحُضُّ	دھکے دیتا ہے اور مسکینوں کو
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ (الماعون: ۲-۳)	کھلانے پر نہیں ابھارتا۔

ان تمام آیات کو سامنے رکھ کر ہم اس نتیجہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ، نماز اور مواسات، سب کا تعلق ایک ہی اصل سے ہے۔

اسی طرح عمل صالح کا ذکر کہیں ایمان کے قرین کی حیثیت سے ہوا ہے، کہیں تقویٰ کے قرین کی حیثیت سے جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان ایک ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنے ہیں۔ شرک کا ذکر شہادت زور (جھوٹی گواہی) کے ساتھ بھی ہوا اور زنا کے ساتھ بھی اس سے ان چیزوں کی ایک دوسرے کے ساتھ معنوی مناسبت واضح ہوتی ہے۔

اس اسلوب کی روشنی میں ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ دو قرینوں میں سے اگر ایک فنا ہوگا تو دوسرا قرین بھی باقی نہیں رہ سکتا اور ایک چیز اگر باقی رہے گی تو دوسری کو بھی باقی رکھنے کا باعث ہوگی۔ چنانچہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ساتھ کرنے اور کبھی صلوٰۃ کو زکوٰۃ پر اور کبھی زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر مقدم کرنے میں یہی مصلحت ملحوظ ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک چیز فنا ہو جائے گی تو دوسری بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

قرآن ہمیں اس اسلوب کے ذریعے دو چیزوں کے اثرات کی مماثلت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ترک صلوٰۃ کے اثر کے حوالے سے ترک زکوٰۃ کے اثر پر استدلال کیا اور ان لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ اس وقت تک جاری رکھی جائے گی جب تک وہ نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرنے لگ جاتے۔

د۔ دو قرین کبھی ایک دوسرے کے مقابل کے طور پر بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اس طرح آئی ہیں۔ مثلاً العزیز الغفار (زبردست اور بخشنے والا) یا العزیز الرحیم (زبردست اور رحم کرنے والا) وغیرہ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام صفات باری تعالیٰ، اگرچہ ہمیں متضاد نظر آتی ہیں لیکن وہ سب ایک ہی امر کلی کے تحت ہیں۔

مختلف و متضاد چیزوں کو یکجا کر کے بیان کرنے کا ایک فائدہ ان کی حقیقت کو سمجھنا ہوتا ہے کیونکہ اشیاء اپنے اضداد سے اچھی طرح پہچانی جاتی ہیں۔ نیز ایک شے اپنی ضد شے کی نفی کرتی ہے۔ قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ متضاد امور کی تصریح کر دیتا ہے اور کبھی محض اشارہ کو کافی سمجھتا ہے۔ اس اصول پر قرآن نے صدقہ اور ربا کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی لئے ربا کا جو اثر آدمی پر پڑتا ہے، صدقہ کا اثر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ چنانچہ ربا کے ضمن میں فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں
لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ	اٹھیں گے مگر اس شخص کے مانند
الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ	جس کو شیطان نے اپنی چھوت
مِنَ الْمَسِّ (البقرۃ: ۲۷۵)	سے پاگل بنا دیا ہو۔

اس کے برعکس صدقہ کا اثر حق پر دل کو جمائے رکھنا بتایا:

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ	اور ان لوگوں کے عمل کی تمثیل جو
اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ	اپنے مال اللہ کی رضاجوئی اور اپنے
اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	دلوں کو جمائے رکھنے کے لیے خرچ
(البقرۃ: ۲۶۵)	کرتے ہیں یوں ہے۔

ربا اور صدقہ کو ایک دوسرے کے ضد قرار دینے کے لیے موقع کلام میں اشارات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ربا پر اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا جب کہ صدقہ کو اللہ کی رضا کا نام دیا گیا۔ پھر آیت ۲۷۶ میں دونوں کو مقابل رکھ کر فرمایا۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی	اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات
الصَّدَقٰتِ (البقرۃ: ۲۷۶)	کو بڑھائے گا۔

اس طرح متضاد امور کو ساتھ ساتھ بیان کرنے کا مقصد اخلاق کی تعمیر اور دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔

۷۔ ساتھ ساتھ آنے والے دو جملوں میں تعلق علت اور نتیجہ کا بھی ہوتا ہے۔ کبھی علت پہلے بیان ہوتی ہے اور نتیجہ بعد میں، لیکن کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جب دو امور کے درمیان یہ نسبت معلوم ہو جائے تو جب دونوں میں سے ایک کا ذکر کر دیا جائے تو دوسرے امر کی طرف رہنمائی خود بخود مل جاتی ہے۔ اس کی مثال کے لیے حسب ذیل آیات پر غور کرو۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰیo وَاٰثَرَ	تو جس نے سرکشی کی اور آخرت کے
الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاo فَاِنَّ	بالمقابل دنیا کی زندگی کو ترجیح دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الْجَحِيمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝	اس کا ٹھکانا تو بس جہنم ہی بنے گی
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	اور وہ جو اپنے رب کے حضور پیشی
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝	سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝	خواہش کی پیروی سے روکا تو اس
(النازعات: ۳۷-۴۱)	کا ٹھکانا لاریب جنّت ہے۔

ان آیات میں سرکشی نتیجہ ہے اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دینا اس کی علت۔ دوسری طرف رب کے آگے حاضری کا خوف علت ہے اور نفس کو خواہشات سے باز رکھنا اس کا نتیجہ۔ جب دو امور کے مابین یہ نسبتیں معلوم ہو گئیں تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں رہا کہ دنیا کو ترجیح دینے والا شخص ایک طرف لازماً سرکشی کی راہ اختیار کرے گا اور دوسری طرف اپنے رب سے بھی بے پروا ہو جائے گا۔ اس نتیجہ کی بنیاد یہ ہے کہ ایسا شخص نفس کو خواہشات سے بچا نہیں سکتا۔ اس کے رویہ میں جب یہ اثر پایا جاتا ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس اثر کی علت بھی اس کے ہاں پائی جاتی ہے۔

و۔ لفظ اپنے لازم معانی پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا لازم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے درمیان عدل کرے، کوئی چیز بے مقصد پیدا نہ کرے اور کمزور کو کوئی ایسا حکم نہ کرے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ جب تم کوئی لفظ پڑھو اور اس کے تمام لازم معانی کو بھی ذہن میں رکھو تو تم پر کلام کا ربط واضح ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی آیت:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ	کیا یہ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے
عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝	یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے
(محمد: ۲۴)	ہیں۔

میں جس غور کا ذکر ہے میرے نزدیک اس سے مراد الفاظ کے لازم معانی ہی پر غور کرنا ہے۔

© rasailojaraid.com

اسی نوعیت کی دوسری چیز وہ لازم مفہوم ہے جو کسی لفظ سے مترتب ہوتا ہو۔

© rasailojaraid.com

مثلاً نعمت کے لئے شکر لازم ہے، مالک کے لئے عبادت لازم ہے۔ ایک قادرِ مطلق اور نعمت عطا کرنے والے مالک کا لازم حق ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس پر اعتماد و توکل کیا جائے۔ قرآن مجید میں اکثر دیکھوگے کہ اللہ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد شرک کی قباحت بیان ہوتی ہے یا اس کی قدرت کاملہ کے بیان کے بعد شرک کا رد ہوتا ہے تو یہ انہی لازم مفاہیم کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ن۔ جب کلام کے تمام حصوں میں وسیع ربط قائم کرنا ممکن ہو جس کے نتیجہ میں کوئی حصہ ربط سے محروم نہ رہتا ہو تو وہاں ربط کے ایسے پہلو مراد نہیں لینے چاہئیں جو قریب اور متصل حصوں کو تو مربوط کر دیتے ہوں لیکن اس بعید حصہ کو مربوط نہ کرتے ہوں جس کا مضمون پوری طرح چھایا ہوا ہو۔

اسی طرح مفہوم کے اس پہلو کو جس کے حق میں عبارت کے اندر کوئی دلیل موجود ہو کسی بھی ایسے پہلو پر ترجیح دی جائے گی جو صرف ایک مفروضہ ہو۔

علیٰ ہذا القیاس، مفہوم کا وہ پہلو ترجیح پائے گا جس کی موافقت کتاب و سنت کی محکمات کے ساتھ ہوگی۔

اس مضمون کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

(۱)	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو
	اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ	اور اسی کے تقرب کے طالب بنو اور
	الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ	اس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو
	لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ	تاکہ فلاح پاؤ۔ بے شک جن لوگوں
	كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي	نے کفر کیا اگر انھیں وہ سب کچھ
	الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ	حاصل ہو جائے، جو زمین میں ہے
	مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ	اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور
	عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ	تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المائدۃ: ۳۵-۳۶)

روزِ قیامت کے عذاب سے چھوٹ سکیں تو بھی ان کا یہ فدیہ قبول نہ ہوگا۔ ان کے لئے بس ایک دردناک عذاب ہی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں: "رسول کی اطاعت میں جو نیکی کرو وہ قبول ہے اور بغیر اس کے عقل سے کرو قبول نہیں"۔ یہ کلام اپنی جگہ صحیح ہے لیکن جہاں تک لفظ وسیلہ کے مفہوم کا تعلق ہے اس تفسیر کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ عمل کے صالح ہونے کے لئے لازم ہے کہ اس میں پیغمبر کی اطاعت پائی جائے۔ کیونکہ پیغمبر آتا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو عمل صالح کی طرف دعوت دے اور اس کی وضاحت کرے، اس لئے یہاں دفع دخل مقدر کا کوئی موقع نہیں۔

آیت ماقبل اور مابعد سے موافقت رکھنے والی تفسیر یہ ہے کہ بندے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے تقویٰ کو ایسے اعمال کے ذریعے ثابت کرے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والے ہوں۔ مثلاً قربانی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج: ۳۷)

اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون بلکہ اس کو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ماسبق آیات میں ہابیل اور قابیل کا قصہ بیان ہوا جس میں قربانی اور تقویٰ کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دینے اور اس کے ذریعے فلاح پانے کا ذکر تھا۔ یہ ذکر اس ضمن میں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اللہ کی راہ میں قتال سے انکار کر دیا تھا۔ جان اور مال کی قربانی کا تعلق جہاد اور ذبیحہ سے بالکل ظاہر ہے۔ لہٰذا اسی بنیاد پر آگے فرمایا کہ جاھدوا فی سبیلہ پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے تقویٰ کا ثبوت جہاد کر کے ... فلاح پاؤ گے۔ قربانی خواہ جان کی ہو یا مال کی، وہ فدیہ ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہ مفہوم عربوں کے فہم سے بہت قریب تھا چنانچہ ان کے کسی شاعر کا شعر ہے:

نهين النفوس وهون النفوس عند الكريهة ابقى لها

(ہم جانوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ گھمسان کے رن میں جانوں کو معمولی سمجھنا ان کی بقا کا ضامن ہوتا ہے)

فلاح کے مفہوم میں بقا شامل ہے اور فدیہ قربانی اور اس کے ذریعہ سے برکت کا معنی بھی اس میں شامل ہے لہذا جب فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (تاکہ تم فلاح پاؤ) تو اس کے بعد یہ وضاحت بھی کر دی کہ قیامت میں فدیہ کے طور پر دنیا بھر کی دولت پیش کی جائے گی تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہذا تمہارے لئے لازم ہے کہ دنیا میں صالح اعمال کے ذریعہ اپنا فدیہ پیش کرو۔

تم نے دیکھا کہ اس تفسیر کی بنیاد وسیع ربط پر ہے، اس کے حق میں عبادت کے اندر شہادتیں موجود ہیں، قرآن کے اندر اس مفہوم کے محکم شواہد پائے جاتے ہیں اور زبان اس کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) دوسری مثال سورہ انعام میں ہے۔ فرمایا۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا	اور یہ تیرے رب کی راہ ہے سیدھی
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ	ہم نے اپنی آیتیں تفصیل سے
يَّذَّكَّرُوْنَ	بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے
(الانعام: ۱۲۶)	جو یاد دہانی حاصل کریں۔

اس آیت کی تفسیر شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے یوں کی ہے:

"حکم برداری کرنی اور عقل کو دخل نہ دینا سیدھی راہ ہے۔"

اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں صراط مستقیم کی وضاحت توحید سے بکثرت کی گئی ہے۔ یہاں یہ کلام اسلام کو اللہ کے لئے خاص کرنے کے معنی میں آیا ہے اور اس اعتبار سے اللہ کی آیات پر یقین کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے متصلا پہلے یہ آیت آئی ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ ‏ | اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ	ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے
اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ	کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا
ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا	چاہتا ہے اس کے سینہ کو بالکل
يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ	تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان
يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى	میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اسی طرح
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝	اللہ ناپاکی مسلط کر دیتا ہے ان
(الانعام: ۱۲۵)	لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو طاعت کی توفیق دیتا ہے تو ان کے سینے اس ہے کے لیے کھول دیتا ہے چنانچہ وہ اللہ کی آیات سے فائدہ اٹھاتے اور ان کو یاد رکھتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لانا چاہتے تو ان پر شیاطین کی نجاست پڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ان کے دل حق سے پھر جاتے اور فاسد بدگمانیاں ان کو گمراہ کرتی ہیں چنانچہ ان کے دل قبول حق کے لیے تنگ ہو جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ یہ نہیں ہوتا کہ مومنین کی عقل معطل ہو جاتی ہو بلکہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی عقلیں سلامت روی سے کام کرنے لگتی ہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا سے آگے آیت کا آخری حصہ ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی تائید میں ہے۔ اور قرآن کی محکمات اسی کی تائید کرتی ہیں:

(۳) اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ	کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ	کی بادشاہی ہے، وہی جس کو چاہے گا
لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ	سزا دے گا اور جس کو چاہے گا بخشے گا
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (المائدۃ: ۴۰)	اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں:

"یہ اس پر فرمایا کہ کوئی تعجب نہ کرے کہ چور کو تھوڑی خطا پر بڑی سزا فرمائی"۔

یہ تفسیر صحیح [illegible] ہے اللہ تعالیٰ مالک مطلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ وہ ظالموں کو عذاب دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ جس طرح وہ اپنی قدرت سے عذاب دیتا ہے اسی طرح اپنی قدرت ہی سے معاف کرتا ہے۔ یہ تفسیر نظمِ کلام کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت سے قبل چور کی سزا بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر وہ اس گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جو شخص توبہ کے بعد اصلاح کر لے اس کی مغفرت میں کوئی مانع نہیں اور یہ خدا کی عین مشیت ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر کسی کو انگلی اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرتا ہی نہیں جو ناحق یا خلاف عدل ہو اس لئے چور کی سزا پر اعتراض کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا جس کا جواب یہاں دیا جائے۔

زمانہ نزول

مختلف واقعات کے نظم کے متعدد پہلو ہو سکتے ہیں۔ نظم کے متلاشی کی ان پر نظر ہونی چاہیے۔ ان میں سے ایک پہلو ان واقعات کے زمانے کا قرب ہے۔ مثلاً دعوت کے ابتدائی زمانے کے واقعات اسی پہلو سے منظم ہیں اور ایک دوسرے سے ہٹ کر نہیں آتے۔ اسی طرح ہجرت کے موقع یا اس کے بعد کے واقعات ہیں۔ پھر مدینہ کی ریاست کے قیام یا فتح مکہ اور اس کے بعد کے زمانہ کے مسائل ہیں یہ سب معلوم و مشہور اور نمایاں ہیں۔ اسی زمانی بنیاد پر علمائے سلف نے مکی و مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے یا بعض مکی سورتوں کی آیات کو مدنی اور بعض مدنی سورتوں کی آیات کو مکی کہا ہے۔ انھوں نے اس سے زیادہ تقسیم نہیں کی۔ اگر انہی کے اصول پر مزید غور کیا جائے، تو ابتدائی دعوت کے امور، ہجرت سے پہلے اور بعد، یا فتح مکہ سے پہلے اور بعد کے زمانہ کے واقعات بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ البتہ ایک زیادہ مخفی پہلو پھر بھی باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے مستقبل سے متعلق آیات کا نظم۔ قرآن مجید میں اس بات کے اشارات موجود ہیں کہ اس امت کو مستقبل میں کیا حالات درپیش ہوں گے۔ اور انھیں [illegible] نبیؐ کی [illegible] صحابہؓ [illegible] مشکلات سے واقف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آنے والے واقعات میں ان کے مصداق بتایا کرتے تھے۔ ان اشارات کی نمایاں مثالیں سورہ ہود کی آخری آیات اور سورہ الحجرات میں موجود ہیں۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ واقعات جب تک سامنے نہ آجائیں اس وقت تک اشارات کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ قلب صافی رکھنے والوں کے سوا دوسرے لوگ ان کے پیش آنے پر آیات کی دلالت پر متنبہ ہو پاتے ہیں۔ قلب صافی رکھنے والے اپنے علم کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو لوگ ان کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ ہود کی آخری آیات سربستہ راز رہیں۔ ان کے نظم پر جب تک غور نہ کیا جائے حقائق سے پردہ نہیں اٹھتا۔

موقع کلام

ایک اور چیز جو فہم نظام میں مدد دیتی ہے وہ موقع کلام کا تعین ہے۔ موقع کے تقاضا کی دلالت ظاہر مخفی طور پر خود کلام میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ اعلیٰ کی آیت: سنقرئك فلا تنسى (ہم تمہیں پڑھائیں گے تو تم نہیں بھولو گے) کے نظم کی طرف میری رہنمائی اس کے موقع پر غور کے بعد ہوئی۔ یہ اس وقت ممکن ہوا جب مجھے تسبیح کے مواقع کی طرف رہنمائی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح کرنے کا حکم ایک تو اس موقع پر دیا جاتا جب آپ اپنی تعلیم کا اثر دیکھتے۔ آپ صحابہ کرامؓ کے احوال پر نظر رکھا کرتے تھے۔ جب ان کو توقع کے مطابق پاتے تو اس پر آپ کے لئے شکر و حمد واجب ہوتی۔ اس کی مثال سورہ نصر میں موجود ہے۔ حسب ذیل آیت کا مضمون بھی یہی ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ — اور خدائے عزیز و رحیم پر بھروسہ

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ — رکھو۔ اس خدا پر جو تمہیں دیکھتا

وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ — ہے جب تم اٹھتے ہو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الشعراء: ۲۱۷-۲۱۹) دیکھتا ہے تمہاری آمدو شد کو سجدہ کرنے والوں کے درمیان۔

اسی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی تسبیح کا حکم دیا گیا جب آپ صحابہؓ کو نماز پڑھنے اور انفاق کرتے دیکھتے۔ انھیں حضورؐ کی نصیحت سے اپنے اپنے مقدور کے مطابق فائدہ ہوتا اور ان کی کیفیت وہی ہوتی جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ	جیسے کھیتی ہو جس نے سوئی نکالی
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَا	پھر اس کو سہارا دیا، پھر وہ سخت
سْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ	ہوئی، پھر وہ اپنے تنا پر کھڑی ہو گئی
الزُّرَّاعَ (الفتح: ۲۹)	کسانوں کے دلوں کو موہتی ہوئی۔

کبھی نبی صلی اللہ وسلم کو تسبیح اور نماز کا حکم اس موقع پر بھی دیا جاتا جب جھٹلانے والوں کی مخالفت کے نتیجہ میں آپ کو ملال ہوتا۔ اس کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی، صبر و ثبات، تسکین اور اپنے موافق لوگوں کی طرف رجوع کرنے کی تلقین ہوتا۔ متعدد سورتوں میں اس موقع و محل کی آیات آئی ہیں۔

سورۂ اعلیٰ کے زمانہ نزول میں یہ دونوں حالتیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ ہمیں اس سورہ میں دو گروہوں کا ذکر ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اس چیز کا غلبہ تھا کہ مکذبین سے صرف نظر کر کے تلاوت قرآن اور نماز کے لئے اپنے آپ کو خالص کر لیں۔ لہٰذا آپ کو دونوں کام جمع کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی یہ کہ شکر ادا کرنے کے لئے تسبیح کریں، اللہ سے مدد طلب کریں اور لوگوں کو نصیحت بھی جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں آپ کو تسلی دی کہ وہی ہادی اور کارساز ہے جو تمہاری دعوت کو مقبول بنائے گا اور تمہارا کام آسان کر دے گا کیونکہ وہی ہے جو مخلوق کو اس کی تقدیر کی طرف لے جاتا ہے۔ لوگوں میں سے بعض لوگ تمہاری یاددہانی سے فائدہ اٹھائیں گے اور دوسرے اس سے پہلو تہی کریں گے پس تم اللہ کے شکر گزار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بندے بن کر اپنے کام میں لگے رہو اور مخالفین کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی راہ پر چلتے رہو۔

فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ: ۹)
پس تم یاد دہانی کرو اگر یاد دہانی کچھ نفع پہنچائے۔

یعنی نہ ان کے پیچھے پڑو اور نہ انھیں بالکل چھوڑ دو کیونکہ یہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ہدایت یا محرومی اور فلاح یا بدبختی کی راہ اختیار کریں گے۔

اس طرح جب تم آیات کے ایک مجموعے کو غیر مربوط دیکھو گے اور بار بار اس پر غور کرو گے تو رب کے فضل سے کئی حقائق تک رہنمائی پاؤ گے اور بالآخر وہ مجموعہ آیات ایک تصویر کی طرح ابھر آئے گا۔ تب اس کا نظام تمام اجزاء سے مطابقت رکھتا ہوا تم دیکھ سکو گے۔

کلام کے موڑ

قرآن کا نظام بیشتر واضح ہے لیکن بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں ربط کا پہلو مخفی ہوتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کلام نے دوسرا رخ اختیار کر لیا ہے۔ کلام کے یہ موڑ یا گرہیں نظام کے متلاشی کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کو لازماً متعین ہونا چاہیے، ان پر ڈیرے ڈالے جانے چاہئیں اور ان پر کامل تدبر کیا جانا چاہیے۔

نظام پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے کلام کے یہ موڑ ہی پریشان کرتے ہیں۔ جب ان مواقع پر آیات کا ربط واضح ہو جائے تو پوری سورہ کا نظم روشن ہو جاتا ہے۔

نظم صحیح تاویل کی کلید ہے۔ مختلف تاویلات کے درمیان یہی فیصلہ کن چیز ہے۔

لہٰذا یہ لازم ہے کہ نظم کے تعین میں کسی سرسری چیز پر قناعت نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہرگز کمزور نظام کا حامل ہو سکتا اور نہ ہی نظام سے خالی ہو سکتا ہے۔ امام رازیؒ نے صحیح کہا ہے کہ قرآن کے لطائف اس کے حسن نظام سے ہاتھ آتے ہیں۔

(تدبر شمارہ نمبر ۵۲، ۵۳
جنوری، مئی ۱۹۹۶ء)

© rasailojaraid.com